برعظیم پاک وہند کا صوفیانہ تفسیری ادب

عاصم نعیم*

Purification of Souls is one of the core tasks assigned to the Holy Prophet by Al-mighty Allah as vividly mentioned in the Quran on four different places. Purification of Souls has been named as Ihasan in the traditions of Holy Prophet. The Quran has called it Piety, Fear of God and Colour of Allah. This aspect of prophetical mission was termed later as Tasawwuf in Islamic episteme. The religious scholars who devoted themselves for Tasawwuf were called Sufia added commendable knowledge to the science of exegesis, when a Sufi contemplate upon the Quranic verses, he is bestowed by some Gnostics about the meanings that are apparently not related to direct or indirect meanings of Quranic verses. These unique meanings are not against the considered meanings of Quran that had been narrated by other exegesis but are according to agreed principals of exegesis. Sufia have never deviated from the consensuses meanings of Quran. However some astray sufia have delivered some objectionable elucidations that have been categorized under Tafseer bir Raiay (False exegesis). However they are not in considerable number. It is interesting that the first exegesis' book was written by a Sufi in subcontinent. Later a lot of books were written by many Sufia in this field. This article deals with primary information about unique way of Qur'anic interpretation by Sufia and its development in subcontinent.

قرآن پاک کا نزول اس وقت ہوا جب دنیا شرک، کفر اور بت پرستی کے اندھیروں میں گم ہو چکی تھی۔ انسان خود پرستی، کبر و نخوت، ظلم و جور اور زر پرستی میں مبتلا تھا۔ اس پر آشوب، بے یقین، فساد سے بھرپور اور وسوسوں کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی کو مبعوث فرمایا جس کے فرائضِ منصبی میں اپنے بھیجنے والے کے کلام کی تعلیم اور نفوس انسانی کی تہذیب اور تزکیہ شامل تھا تاکہ وہ اس رب کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اول، آخر، ظاہر اور باطن ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس فریضہ کی انجام دہی شروع کی تو وہ مخاطبین جن کی اخلاقی حالت کے تذکرے، تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں اس بلند مقام تک جا پہنچے جو نوع انسانی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد

*لیکچرر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

انہی کا خاصہ اور امتیاز ہے۔اس تزکیہ اور تہذیب کی تاکید جابجا قرآن وسنت میں ملتی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ ۱؎

جب نفسِ انسانی مزکیٰ اور مہذب ہو جائے اور معبود کے ساتھ اپنی عبدیت کے تعلق کو پہچان لے تو اس سے عبودیت کے اس تعلق میں انتہائی اخلاص کا تقاضا کیا جاتا ہے جس کو حدیث وسنن میں احسان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ارشادنبوی ﷺ ہے:

(اَلْاِحْسَانُ) اَنْ تَعْبُدُ اللّٰہَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّہٗ يَرَاكَ . " ۲؎

پس یہی تزکیہ اور احسان دین کا ماحصل ہے جو عصرِ نبوت وصحابہ میں موجود تھا جس کو بعد کے ادوار میں تصوف کا نام دیا گیا۔ نبی مہربان ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ فن اپنے موجودہ نام کے ساتھ اس لیے موجود نہیں تھا کہ اس دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کے نام اور اصطلاحات وضع نہ ہوئی تھیں، ہر چند کہ ان کے اصول وکلیات موجود تھے، یہ شعبہ بھی موجود تھا لیکن انہی شعبوں کی طرح کوئی مستقل نام نہیں رکھتا تھا اور پھر ''صحابی'' کے لفظ میں جو عزت اور شرف ہے، وہ کسی اور لفظ کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا وہ لفظ چاہے صوفی اور غوث ہو، مفسر، فقیہ یا محدث ہو۔

چنانچہ جب دور نبوی ﷺ سے بُعد ہوتا گیا اور وہ صالح معاشرہ جس کی تربیت نبی ﷺ نے خود کی تھی اس میں وسعت آنا شروع ہوئی اور دوسری اقوام سے میل جول بڑھا تو دوسرے علوم وفنون (تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ) کی ترتیب وتدوین کے پہلو بہ پہلو اس فن کے حاملین نے بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تزکیہ اور احسان کے حصول کے وسائل وذرائع کو ایک نظام کی شکل دے دی۔

لہٰذا لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف، صفا، صفہ یا صوفیا ہو، اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا اہم شعبہ ہے جس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔اس کی غایت اور مقصد تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے۔قرآن میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث وسنت میں احسان سے موسوم کیا گیا ہے۔

تزکیہ واحسان کے ثمرہ کے طور پر جب ایک مومن کا قلب رزائل سے پاک ہو کر فضائل سے مزین ہو جاتا ہے تو اس قلب سلیم کو اپنے معبود کے ساتھ نسبت اور وصول کی دولت حاصل ہو جاتی ہے اور اس

قلبِ سلیم پر علوم اور معارف کا القا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک صوفی جب کلام الٰہی کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر براہ راست ایسے نکات ومعارف کا القاء ہوتا ہے جس کی اس آیت کے ظاہری معنی ومفہوم سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی لیکن ان میں جمع وتطبیق ممکن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جہاں اہل علم کے ہاں کئی مناہج موجود ہیں وہاں ایک منہج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے جس میں ایک صوفی کلام الٰہی کی ظاہری تفسیر، جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد ہے کو مرکز ومحور بناتے ہوئے ایسے علوم ومعارف بیان کرتا ہے، جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں اور اس کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہیں۔ الفاظِ قرآنیہ پر غور وفکر کے دوران صوفیا کا قلب جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف عبور کرتا ہے تو اس وقت یہ لطائف ونکات ان کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر شخص کا مذاق اس میں جداگانہ ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے علوم ومعارف وہ قبول ہوں گے جن کو شریعت رد نہ کرے۔

ابوسلیمان دارانی کا قول ہے:

''ربما يقع في قلبي النكتة من نكت القوم ايا ما فلا اقبل منه الا بشاهدين عدلين الكتاب والسنة.'' ۳

جب کبھی گروہ صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ میرے قلب پر وارد ہوتا ہے تو میں اسے کتاب وسنت کے دو عادل گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرتا ہے۔

صوفیاء کرام کے ان رموز وارشادات کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ۴

جس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سرکشی پر اس کے ہاں جانے کا کہا جا رہا ہے۔

چنانچہ حضرات صوفیاء نے اس آیت کے ذیل میں لکھا کہ:

اذهب يا روح الى النفس جاهدها انها قد طغت.

''اے روح! نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے۔''

لہٰذا یہاں پر اس آیتِ قرآنیہ کا حقیقی مدلول تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ہی ہے کہ جس کا اعتراف حضرات صوفیا بھی کرتے ہیں۔ لیکن محض نظیر اور تشبیہ کے طور پر انہوں نے بیان فرما دیا کہ اس آیت سے یہ مفہوم بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اندر بھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مشابہ دو چیزیں روح اور نفس ہیں، یعنی ایک داعی الی الخیر اور دوسری داعی الی الشر۔ پس تو اپنی روح جو داعی الی الخیر ہے کو اپنے نفس جو داعی

الی الشر ہے پر غالب کر کہ وہ نفس حد سے نکلا جا رہا ہے اور احکام الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کر رہا ہے۔ لہٰذا مذکورہ صدر مثال جیسے نکات و معارف ہیں جو صوفیائے کرام کے قلوب پر مطالعہ قرآن کے دوران منکشف ہوتے ہیں۔

صوفیاءکرام کے بیان کردہ ان لطائف و نکات کو تفسیر صوفیاء، تفسیر فیضی، تفسیری اشاری اور علم الاعتبار کی اصطلاحات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آیات قرآنیہ کی اشاری تفسیر صرف صوفیاء نے ہی نہیں کی بلکہ صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔

چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ کے معانی و مفاہیم کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے استفسار کیا تو کچھ صحابہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ نے سکوت فرمایا جبکہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں نبی مہربان ﷺ کے وصال کے بارے میں اطلاع دی گئی ہے۔ اسی طرح اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ......الخ سے حضرت عمرؓ نے بھی وصال محمدی ﷺ کے معانی ہی اخذ کیے تھے۔

لہٰذا ان دلائل کی مدد سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور باطنی معانی سے دانش و بصیرت کی خصوصی اور خدا داد صلاحیت رکھنے والے ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے عجائب ختم نہ ہونے اور سیدنا علیؓ کے فرمان کہ چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کے باطنی مفہوم میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔

فہم قرآن میں ہر کسی کا ذوق اور فہم ایک جیسا نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر حضرات صوفیا کے اشارات ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تفسیر صوفیاء کو فرقہ باطنیہ کی باطل تاویلات سے خلط ملط کر کے ان پر طعن و تشنیع کی ہے۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ باطنیہ نے الفاظ قرآنیہ کے حقیقی معانی کو کسی دلیل اور قرینے کے بغیر دوسرے معانی پر محمول کیا ہے۔ ان کی دعوت کا سارا زور اس بات پر ہے کہ قرآن و سنت کے کچھ ظاہری معانی ہیں جن کی حیثیت چھلکے اور پوست کی سی ہے۔ جہلاء صرف ان ظاہری معانی کو جانتے ہیں اور حقائق کو صرف عقلاء جانتے ہیں، جو رموز و اشارات ہیں اور ان کا علم صرف اہل اسرار کو ہے۔ یہ تحریف دین کا ایسا راستہ ہے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو عقائدِ دینیہ اور احکام شرعیہ تبدیل ہو جائیں گے۔

اسی طرح وہ مبتدعین جو کلام الٰہی کے معانی بیان کرنے میں جمہور کے ہاں موجود مسلمہ اصول و قواعد کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کی تاویلات بھی گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ ان میں کچھ غالی متصوفین بھی شامل ہیں کہ

جن کے بیان کردہ نکات کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔قبل ازیں اسی بحث میں ابوسعید دارائیؒ کا قول نقل کیا جاچکا ہے کہ نکات ومعارف وہ مقبول ہیں جن کی تائید کتاب وسنت سے ہوجائے۔اگر قرآن مجید کو فرقہ باطنیہ اور مبتدعین کی طرح من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب، ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔جبکہ محققین صوفیا نے جمہور کے نزدیک کلام الٰہی کے معانی متواترہ اور مفاہیم متوارثہ سے انکار نہیں کیا بلکہ احکام شرعیہ اور قرآن حکیم کی ظاہری تفسیر کو مرکز ومحور بناتے ہوئے ایسے نکات بیان کیے ہیں جو ان کے قلوب پر وارد ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کلام الٰہی کی تفہیم وتعبیر میں اس علم کی مسلمہ اہمیت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ موضوع اپنی اہمیت کے پیش نظر جس توجہ کا متقاضی تھا وہ اس کو نہ مل سکی۔

صوفیا کی تفاسیر جہاں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور علم تفسیر کے ارتقاء میں ایک خاص پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صوفیا کی تفسیر اصلاح باطن، تزکیہ نفس اور ازالۂ رذائل کی اہمیت اور عملی زندگی میں ان کی ضرورت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ ہے اور انسانی معاشرہ کبھی بھی اس ضرورت سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے۔محققین صوفیا کے منہج تفسیر سے انہی کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں برصغیر کی چند منتخب صوفیا کی تفاسیر کے منہج کو بیان کیا جائے گا۔ان کی ادبی،لسانی اور دیگر خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا۔

برصغیر میں صوفیاءِ کرام واولیاءِ عظام کا سلسلۂ تبلیغ دین بڑی کامیابی اور جوش وخروش کے ساتھ تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں یہ خطہ نور اسلام کی تابانیوں سے روشن ومنور ہوگیا۔ان صوفیاء کرام کی خانقاہیں، مساجد اور مدارس تعلیم وتربیت کے نہایت اہم مراکز تھے۔کئی بار ایسا ہوتا کہ حاکمان وقت اور امراء و رؤساء ان مراکز میں بڑے ادب سے حاضر ہوتے اور مشائخ کرام انہیں پند ونصائح سے نوازتے۔ ان صوفیاء میں سے اکثر اصحاب لوح وقلم تھے۔انہوں نے اپنے مریدین کی تعلیم وتربیت کے کے لیے انتہائی اعلیٰ درجے کی کتب تصنیف کیں۔کئی دانش مند مریدوں نے اپنے مشائخ کے ملفوظات و ارشادات کو قلم بند کیا۔

برصغیر کے متقدم صوفی مفسرین میں شیخ محمد بن احمد شریحی (م ۶۸۴ھ)، شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسودراز (م ۸۲۵ ھ)، شیخ علی بن احمد مہائمی (م ۸۲۵ ھ)، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ)، شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی (م ۹۸۲ھ)، شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م ۱۰۰۳ھ)، شیخ

منور بن عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۱ھ)، شیخ غلام نقش بند گھوسوی (م ۱۱۲۶ھ)، ملا جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ)، شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ)، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۱ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور شیخ نظام الدین تھانیسری وغیرہم شامل ہیں۔

برصغیر میں مختلف علوم وفنون کی طرح فن تفسیر کا آغاز بھی قدما کی تصانیف پر شروح وحواشی سے ہوا۔ اور یہ بات اہم اور لائق توجہ ہے کہ ہندوستان میں فن تفسیر کی ابتدا تصوف کے زیر اثر ہوئی، چنانچہ یہاں سب سے پہلے لکھی گئی تفسیری تصنیف خالص اسی مقصد کے تحت لکھی گئی۔

ا۔ تفسیر کاشف الحقائق وقاموس الدقائق از شیخ محمد بن احمد شریحی مریکلی

شیخ محمد بن احمد شریحی مریکلی (م ۱۲۸۵ء/ ۶۸۴ھ) کی تفسیر ''کاشف الحقائق و قاموس الدقائق'' برصغیر میں لکھی جانے والی سب سے پہلی تفسیری تصنیف ہے۔ اس کے مصنف عہد سلطنت میں غیاث الدین بلبن کے دور کے صاحب ورع عالم اور بلند پایہ مفسر ومحدث تھے۔ ۵

آپ کے استاد شیخ برہان الدین محمود بلخی نے امام فقہ صاحب ہدایہ امام مرغینانی سے فقہ اور امام حدیث صاحب مشارق الانوار امام حسن بن محمد صغانی لاہوری سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ آپ کے تلامذہ میں سرفہرست شیخ نظام الدین اولیا ہیں جنہوں نے مولانا شریحی سے ''مشارق الانوار'' پڑھی اور اس کو حفظ کر لیا۔ ۶

تفسیر کی چند خصوصیات:

اس کی بنیادی خصوصیت تو یہی ہے کہ برصغیر پاک وہند میں ایک ہندی نژاد مصنف کی یہ سب سے پہلی مکمل تفسیر ہے۔ اس کا ایک عمدہ نادر مکمل نسخہ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کے مصنف امام بیضاوی (م ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء) کے معاصر ہیں اور تفسیر بیضاوی کی طرح اس میں بھی ابتدا میں تفصیلی اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے اور آہستہ آہستہ مختصر ہوتا گیا ہے۔

یہ از اول تا آخر نہایت فصیح عربی زبان میں ہے۔ اس کی زبان بہت سلیس اور سہل ہے، عبارت میں عربی اصول وقواعد کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ ذیل میں اس کی تفسیر کا ابتدائی خطبہ درج کیا جاتا ہے جس سے مؤلف کی عربی زبان پر قدرت اور تفسیر کے اصول ومنہج کا بھی اندازہ ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى حَبِيْبِهِ الْقُرْاٰنَ وَجَعَلَهُ هَادِياً اِلٰى

دَقَائِقِ لِاَهْلِ الْعِرْفَانِ وَ اَوْدَعَ فِيهِ لَطَائِفَ اَسْرَارِهٖ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهَا اِلَّا مَنْ كَانَ جَدِيراً لِعَتَبَةِ دَارِهٖ وَ تَقَدَّسَتْ ذَاتُهٗ وَ صِفَاتُهٗ عَنِ الْكَوْنِ وَ الْفَسَادِ وَتَنَزَّهَ وُجُودُهٗ عَمَّا يَصِفُهٗ اَهْلُ الْحُلُولِ وَالْاِتِّحَادِ وَتَوَحَّدَ لِجَلَالِهٖ عَنِ الْمُشَابَهَةِ وَ الْحَدَثَانِ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُولِهٖ مُحَمَّدٍ خَيْرَ الْاَنَامِ وَ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ هُدَاةِ الْاِسْلَامِ جَعَلَهٗ بَيْنَ سَآئِرِ الْمَظَاهِرِ مَظْهراً جَامِعاً وَ كَالشَّمْسِ بَيْنَ الْكَوَاكِبِ لَامِعاً. اَمَّا بَعْدُ، فَيَقُوْلُ اَضْعَفُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمُمَجِّدِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنُ مُحَمَّدِ الشَّرِيْحِيُّ الْكِنْدِيُّ ثُمَّ التهانِيْسَرِيُّ ثُمَّ الْكُجْرَاتِيُّ اَصْلَحَ اللّٰهُ شَانَهٗ وَ صَانَهٗ عَلٰى شَانِهٖ وَ غَفَرَلَهٗ وَ لِوَالِدَيْهِ وَ اَنْعَمَ عَلَيْهِمَا وَ عَلَيْهِ بِمَا لَدَيْهِ.ے

(تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس نے اپنے حبیب پر قرآن نازل فرمایا اور اس کو اہلِ عرفان کے لیے اسرار و رموز کی واقفیت کا رہبر بنایا اور اس میں ایسے لطیف اسرار سمو دیے جن کی یافت اسی کو ہو سکتی ہے جو اس کے در کا اہل ہو، اس کی ذات وصفات کون وفساد سے پاک، خیالات سے منزہ، اس کی وحدانیت کون ومکان سے بے نیاز اور اس کا جاہ وجلال مشابہت اور فنا سے بے داغ ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر جو سارے انسانوں میں برتر اور افضل ہیں اور ان کے آل واصحاب پر جو اسلام کے ہادی و رہبر ہیں اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو سارے مظاہر کا ایک مظہرِ جامع اور کواکب کے درمیان ایک چمکتا سورج بنایا، اس کے بعد اللہ کا یہ ناتواں بندہ محمد بن احمد بن محمد شریحی کندی ثم تھانیسری گجراتی عرض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا حال درست رکھے اور اس میں استقامت بخشے اور اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے اور اپنے انعامات سے ہم تمام کو نوازے)

یہ تفسیر جس زمانہ میں لکھی گئی اس وقت ہندوستان میں تصوف کا دور دورہ تھا اور خود مصنف بھی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔اس لیے اس میں تصوف کا اثر پورے طور پر نمایاں ہے بلکہ یہ تفسیر اسی مکتبِ فکر کی ترجمانی اور تشریح کے جذبے سے لکھی گئی ہے جس کا ذکر مصنف نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

لما كانت اكثر التفاسير مملوءة بفوائد او بقواعد العربية و الشريعة و لم

یکن تفسیر حاویاً لدقائق الطریقة و الحقیقة بحیث یکون احسن تحریراً و اصلح تقریراً اردت ان اکتب تفسیراً موجزا شاملاً لا سرار الا لهیات کا شفا لما فی القرآن من الله قیقات. هادیاً الی طریق الرشاد موصولاً الی سبیل السداد. ۸

(اکثر تفسیروں میں عربی قواعد اور امور شریعت تو کثرت سے بیان کیے گئے ہیں مگر کوئی تفسیر ایسی موجود نہ تھی جس میں موثر انداز میں طریقت وحقیقت کے نکات کا ذکر کیا گیا ہو، اسی لیے میں نے ایک مختصر تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا جو الٰہیات کے اسرار ورموز پر مشتمل اور قرآنی تطبیقات پر محیط ہو اور جو رشد و ہدایت کو عام کرے اور راہ راست کی رہبر بن سکے)

اس تفسیر کی تصنیف میں قدیم تفسیروں سے مدد لی گئی ہے اور متعدد مقامات پر مصنف نے خود بھی لطیف نکتے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَاَخَذْتُ مِنْ بَعْضِ التَّفَاسِیرِ بِعَیْنِ الْکَلَامِ الْمَنْقُوْلِ وَ قُلْتُ فِی اَکْثَرِ مَوَاضِعِ لَطَائِفَ مِنِّیْ لَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْهَا ذَوِی الْعُقُوْلِ. ۹

(میں نے بعض تفسیروں کی عبارتیں بعینہ نقل کر دی ہیں اور اکثر مقامات پر اپنے ذاتی نکات بھی بیان کیے ہیں جن کا اہل دانش کو پتہ نہیں تھا)

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کے بیان کے مطابق اس تفسیر میں متعدد اکابر صوفیہ، مثلاً ابن عطا، حسن بصری، علامہ دینوری، امام قشیری، مولانا جلال الدین رومی، شمس تبریزی اور شیخ سعدی وغیرہ کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔ ۱۰

۲۔ تفسیر ملتقط از شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسودراز

مفسر موصوف کا نام سید محمد، کنیت ابوالفتح اور القاب، صدر الدین، الوالی الاکبر اور الصادق ہیں۔ علاقہ دکن میں خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسودراز کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۱

گیسودراز کے لقب کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار وہ اپنے مرشد شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی پالکی مریدوں کے ساتھ اٹھائے چل رہے تھے۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے۔ وہ پالکی میں الجھ گئے مگر اس حالت میں بھی وہ پالکی کو کندھے پر لیے دور تک نکل گئے جب شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی محبت

اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور برجستہ یہ شعر پڑھ کر انہیں گیسودراز کا لقب دیا۔ ۱۲؎

ہر کہ مرید سید گیسودراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اس کے بعد سے وہ گیسودراز کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ یہ ان کے نام کا جزو بن گیا۔

شیخ گیسودراز کے والد سید یوسف حسینی، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ارادت مندوں میں سے تھے۔ جبکہ آپ کے نانا شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے۔ ۱۳؎

آپ کی ولادت ۴/ رجب ۷۲۱ھ/ جولائی ۱۳۲۱ء کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کی عمر ابھی چار برس تھی کہ سلطان محمد تغلق نے دیوگیر (دولت آباد) کو پایہ تخت بنا کر دہلی کے اصحاب علم وفضل اور عام باشندوں کو وہاں منتقل ہونے کا حکم دیا، چنانچہ شیخ گیسودراز کو بھی اپنے خاندان کے ہم راہ دولت آباد جانا پڑا۔

شیخ گیسودراز کی ابتدائی تعلیم وتربیت ان کے والد اور نانا کی آغوش میں ہوئی۔ اور وہیں سے ان کے دل میں بزرگوں کی محبت اور شیفتگی کا جذبہ پیدا ہوا۔ پھر باقاعدہ ایک استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے پندرہ سال کی نوعمری میں مصباح اور قدوری تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۴؎

شیخ گیسودراز کو بزرگوں سے محبت وعقیدت ورثہ میں ملی تھی، وہ شیخ نظام الدین اولیا کی زیارت سے تو محروم رہے مگر ان کے خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے شرفِ ملاقات کے لیے بے چین رہتے تھے، دولت آباد سے دہلی کی دوری اس میں مانع تھی، شیخ گیسودراز جب پندرہ سال کے ہوئے تو آتش شوق اور بھڑک اٹھی اور اتفاق سے اس کا سامان بھی ہوگیا۔ دہلی پہنچ کر شیخ گیسودراز نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد سلطان قطب الدین گئے۔ یہ مسجد اندرون سرائے تھی۔ وہ ابھی مسجد کے صحن میں ہی بیٹھے تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی مسجد میں داخل ہوئے، شیخ گیسودراز ان کے چہرہ مبارک کے جمال وانوار کو دیکھ کر مسحور ہوگئے اور دل میں سوچا کہ کاش یہی شیخ نصیر الدین ہوتے۔ تحقیقِ حال سے جب پتہ چلا کہ یہی شیخ نصیر الدین دہلوی ہیں تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ غرض رجب ۷۳۶ھ/ فروری ۱۳۳۶ء کو آپ سے بیعت ہوگئے۔ ۱۵؎

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت ہونے کے بعد وہ سلوک کی وادی میں گامزن ہونا چاہتے تھے مگر ان کے شیخ نے ان کو حکم دیا کہ وہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں۔ ۱۶؎

چنانچہ انہوں نے درسیات کی بعض کتابیں مولانا شرف الدین کیتھلی اور بعض مولانا تاج الدین مقدم

سے پڑھیں اوراس دوران اپنے پیر ومرشد سے بھی تعلق رکھتے رہے چنانچہ تعلیم کے ساتھ ذکر ومجاہدہ کا معمول بھی جاری تھا۔ انیس (۱۹) سال کی نوعمری میں وہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو گئے اوراس کے بعد مجاہدہ وریاضت کی جانب مکمل توجہ مبذول کی اور انتہائی سخت ریاضتیں کر کے اپنے مرشد کے اس درجہ مقرب بن گئے کہ ان کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ ۱۷

شیخ دہلی میں تقریباً ۶۵ برس مقیم رہے۔ گلبرگہ میں بھی قیام رہا، ان سے عقیدت وتعلق کی بنا پر حکام نے اپنے عہد حکومت میں پورے خطۂ دکن میں احکام شریعت کی ترویج پر خاص توجہ کی۔

شیخ گیسودراز کو کافی لمبی عمر نصیب ہوئی، دہلی ہی میں وہ ۸۰ بس کی عمر کو پہنچ چکے تھے، ۱۶- ذی قعد، ۸۲۵ھ/ یکم نومبر ۱۴۲۲ء کو اشراق و چاشت کے درمیان وفات پائی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو چار سال سے زاید تھی۔ ۱۸

مشائخ صوفیہ میں گیسودراز کو اس بناء پر یک گونہ برتری حاصل ہے کہ انہوں نے مختلف علوم وفنون میں بہ کثرت کتابیں لکھیں، وہ اپنی کتابوں اور رسالوں کو املا کراتے تھے۔ عام تذکرہ کی کتابوں میں ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۵ بتائی گئی ہے۔ ۱۹

زیر نظر مضمون میں ان کی تفسیر قرآن، مسمیٰ بہ ''تفسیر ملتقط'' کی علمی وادبی حیثیت کو بیان کیا جائے گا۔

شیخ گیسودراز کی تفسیر کا ذکر محمد علی سامانی نے متعدد مقامات پر کیا ہے، ان کے بیان کے مطابق اس تفسیر کا باقاعدہ درس شیخ گیسودراز کی مجلس میں ہوتا تھا اور ان کے فرزند اکبر سید محمد اکبر نے اس کی شرح بھی لکھی تھی، مگر یہ شرح نایاب ہے۔ تفسیر ملتقط دوجلدوں میں انڈیا آفس لندن اور ہند کے بعض دیگر شہروں کے کتب خانوں محفوظ ہے۔

یہ تفسیر ہندوستان کی ابتدائی تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں میں بھی قرآن مجید کی مختلف آیتوں کی تفسیریں ملتی ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو قرآن مجید اور تفسیر سے خاص شغف تھا۔ ذیل میں ان کے بعض نمایاں تفسیری خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف-صوفیانہ نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر:

شیخ گیسودراز کے طریقۂ تفسیر کا یہ نمایاں وصف ہے اور ان کی تفسیر کی ایک اہم خصوصیت بھی یہی ہے کہ اس میں اہم صوفیا کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ وہ سورۃ الحجر کی آیت: وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ۔ (۲۰) (اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیے اس پر

بوجھ) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''نفوس عابدین ارض عبادت، قلوب عارفین ارض معرفت اور ارواح مشتاقین ارض محبت ہیں، امید و بیم پہاڑ ہیں، کہا جاتا ہے کہ اولیا اوتاد ارض ہیں جن کے ذریعہ اللہ مخلوق سے بلاؤں کو دور کرتا ہے، وہ غیاثِ عالم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علما پہاڑ ہیں جن سے شریعت کا قیام و بقا ہے۔ علما اصول دین کے اور فقرا نظام شریعت کے قیام کا باعث ہیں۔'' ۲۱

تفسیر ملتقط میں تصوف کا رنگ غالب ہے اور واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نظریہ وحدۃ الوجود کے قایل اور موید تھے اور اسی نقطہ نظر سے یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔

ب۔ لغت اور عربی قواعد سے واقفیت:

شیخ گیسو دراز کو عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا جس کا اندازہ ان کی تمام تصانیف اور اجازت ناموں سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں بھی انہوں نے اس کا خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے۔ وہ سورۃ الصافات کی آیت: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۔ ۲۲

(اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور جو عمل تم کرتے ہو اس کا خالق بھی وہی ہے۔ و ما تعملون میں ما کو مصدریہ ماننے کی صورت میں یہ مفہوم ہوگا کہ تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا اور اس کو موصولہ بنانے کی شکل میں یہ ترجمہ ہوگا کہ تم کو تمہارے اعمال کے ساتھ پیدا فرمایا، اہل تحقیق اور موحدین کا یہی قول ہے۔ ۲۳

اس کے بعد انہوں نے اس تفسیر کی روشنی میں معتزلہ کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ بندوں کے اعمال کا خالق خدا نہیں ہے۔ غرض شیخ گیسو دراز کی تفسیر علم و تحقیق پر مبنی ایک صوفیانہ تفسیر ہے۔ اس میں صوفیا کے اقوال کے ساتھ قدیم مفسرین، خازن، واسطی اور حریری کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔ ۲۴

۳۔ تفسیرِ مہائمی از شیخ علی بن احمد مہائمی

ہندوستانی مفسرین میں شیخ مخدوم علی بن احمد (م ۱۴۳۱ء/ ۸۳۵ھ) کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز علمی تبحر، خداداد بصیرت اور بے مثال روحانیت کے حامل تھے۔ ان کی تصنیفات ما بعد الطبیعات، اسرارِ شریعت، فلسفہ و حکمت اور تصوف و معرفت کا گنج ہائے گراں مایہ ہیں۔ شخصی صفات کے اعتبار سے شیخ مہائمی بڑے زاہد و عابد، جامع علوم شریعت و طریقت اور صاحبِ تصرفات ظاہری و باطنی

تھے۔۲۵؎

مولانا محمد باقر آگاہ اپنی تصنیف ''نفحۃ العنبریۃ'' میں لکھتے ہیں:

''وہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں انتہاء کو پہنچے ہوئے اور توحید وجودی وعلوم طریقت کے اعلیٰ یادگار تھے، استغراق ومشاہدہ ذات میں کامل اور ظاہری تصنع سے کنارہ کش تھے۔ان سے بین کرامات، پسندیدہ خصلتیں، اور نیک صفتیں ظاہر ہوئیں۔''۲۶؎

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان پر مراقبہ واستغراق کی کیفیت غالب تھی۔تاہم انہوں نے تجرد کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ رشتہ ازدواج میں بھی منسلک ہوئے اور درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔شیخ مہائمی کی جلالتِ شان اور علمی تبحر کی بنا پر طالبانِ علم کی معتد بہ تعداد ان کے گرد اکٹھا ہوگئی تھی۔شیخ مہائمی کی زندگی کا بڑا حصہ تصنیف وتالیف میں گزرا۔انہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کے حقائق سے بحث کی ہے۔

شیخ مہائمی کی مشہور تفسیری تصنیف، ''تبصیر الرحمان وتیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز القرآن'' ہے جو تفسیر مہائمی کے نام سے مشہور ہے۔ان کی تفسیر چھ سو برس گزر جانے کے بعد بھی آج تک عرب وعجم میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کی چند علمی وادبی خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

اس تفسیر کا اصل موضوع نظم قرآن ہے جس میں ایک آیت کے دوسری آیت کے ساتھ تعلق اور ایک سورہ کا دوسری سورہ سے ربط ومناسبت واضح کیا جاتا ہے۔شیخ مہائمی نے اس عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے کہ کسی مقام پر سلسلہ کلام منقطع نہیں ہوتا ہے۔شیخ مہائمی نے اس تفسیر میں نظم وترتیب کے جو نکات بیان کیے ہیں ان کو انہوں نے محض فضلِ الٰہی کی بخشش قرار دیا ہے اور اسی احساس کے تحت انہوں نے تفسیر کا نام ''تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان'' رکھا ہے۔چنانچہ شیخ مہائمی کے اس علمی اور قابل قدر شاہ کار کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے انہوں نے ان کے فہم قرآنی اور تحقیقِ نظم کی ستائش کی ہے۔

مولانا سید عبدالحی لکھتے ہیں: ''تفسیریں تو سینکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز وخصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ تمام قرآن پاک کی آیت کریمہ کے باہم دگر مربوط ہونے کو ایسے دل نشیں طریقے سے بیان کیا ہے۔جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے اور بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے۔''۲۷؎

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول'' ان للقرآن ظاھراً و باطناً و حدّاً و مطلقاً''

(قرآن کے ظاہری معنی بھی ہیں اور باطنی نکتے بھی، حلال وحرام کے مسائل بھی ہیں اور وعدہ و وعید بھی)

اور قرآن کے باطنی معانی تک نکتہ شناس ہی اپنی بصیرت کی روشنی میں پہنچ سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ بصیرت نورِ الٰہی سے مستنیر ہو۔ چنانچہ اسی اصول کی روشنی میں شیخ مہائمی نے اپنی تفسیر کا آغاز مندرجہ ذیل جملوں سے کیا ہے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے اہل خرد کے دلوں کو اپنے کلام سے منور کیا تا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنی عقل سے کام لے کر صحیح راستہ پا سکیں۔'' ۲۸ شیخ مہائمی عقل کو بصر اور شریعت کو نور سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر عقل کی اصلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عقل اگر بعض معاملات کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو بعض مواقع پر حقائق تک پہنچنے میں حجاب اور رکاوٹ بھی بن جاتی ہے۔'' ۲۹

شیخ مہائمی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ حقوق اللہ وحقوق العباد کی اہمیت کو مختلف انداز میں واضح کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو ان گنت احسانات فرمائے ہیں وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم اس کی عبادت کریں، کیونکہ انسان کی تخلیق عبادت الٰہی اور معرفت ہی کے لیے کی گئی ہے۔ اسی طرح باہمی معاملات میں انصاف کرنا، اللہ کا حکم ہے جس کے بجالانے پر اجر وثواب مترتب ہوگا۔ ۳۰

وہ اس کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، چنانچہ وہ بڑے موثر اور دل نشیں انداز میں قاری کو یہ بتاتے ہیں کہ شرک جلی وخفی اور ان دونوں تک لے جانے والی تمام چیزوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ کا حق اسی صورت میں ادا ہوسکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، اسی کے ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کیے جائیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے مخلوق میں والدین اور اقارب کے حقوق سرفہرست ہیں۔

شیخ مہائمی ایک متدین اور متقی صوفی تھے، وہ اپنی تفسیر میں تقویٰ اور اخلاق حسنہ کے حصول پر خاص زور دیتے ہیں اور شہواتِ نفسانی سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آئینہ دل ملکوتی صفات حاصل کرکے ہی صاف وشفاف رہ سکتا ہے اور یہ ملکوتی صفات مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں۔

عبادت وریاضت سے دل کی تمام بیماریاں دور ہوتی ہیں اور اسی کی بدولت قلب مشاہدۂ حق سے منور، زبان ذکر الٰہی سے مشرف اور اعضاء خدمتِ انسانی سے مزین ہوتے ہیں۔ اسے

ایجازِ بیان:

تفسیر مہائمی کی ایک نمایاں خصوصیات ایجاز واجمال ہے۔ وہ مختصر جملوں میں اور اشارات کے ذریعہ آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ صرف سورۃ فاتحہ کی تفسیر انہوں نے بہت تفصیل سے لکھی ہے، اس سورۃ کی اہمیت اور فضیلت کے بیان کے بعد اس کے مختلف اسما کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی وجوہ تسمیہ بیان کی ہیں۔ اس سورہ میں الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، سالکیت، عبادت، استعانت اور صراط مستقیم کی توضیح بڑی دقت نظر سے کی ہے۔

شیخ مہائمی کی تفسیر میں دوسری تفسیروں کے مقابلے میں حیرت انگیز بات یہ پائی جاتی ہے کہ اس میں ہر سورہ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح سورہ کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے اور انوکھے طریقے سے کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کی جو تشریح کرتے ہیں وہ سورہ بقرۃ کی تشریح سے علاحدہ ہوتی ہے جس سے زبان وبیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سورۃ المائدہ میں لکھتے ہیں:

''(اللہ کے نام سے) جس نے بر بنائے اقتضاء اسما وصفات اپنے احکام میں نرمی اور سختی دونوں رکھی ہے، (رحمٰن) ہے ان احکام کو دنیا وآخرت میں بندوں کے مصالح کا دارومدار بنا کر، (رحیم) ہے، ان احکام کو اپنی محبت کا رشتہ استوار کرنے والا بنا کر جو خدا اور بندے کے ایمانی تعلق سے عبارت ہے۔''

سورہ یٰسین میں لکھتے ہیں:

''(اللہ کے نام سے) جو اپنے کمالات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ میں جلوہ گر ہے، (جو رحمان ہے) آپ ﷺ کی عالم کے لیے رحمت بنا کر، (رحیم) آپ ﷺ کو صراطِ مستقیم عطا فرما کر جس پر گامزن ہو کر آپ ﷺ سے پہلے کوئی درجہ کمال کو نہیں پہنچا۔'' ۳۲ے

مذکورہ بالا خصوصیات کی بنا پر تفسیر مہائمی ہر دور میں اہل علم طبقہ کا مرجع وماخذ رہی ہے۔ چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس کے قرآنی نکات پر بحثیں کیں اور اس کے اسرار ورموز بیان کیے ہیں۔ ہندوستانی مفسرین میں علامہ طاہر سندھی نے ''مجمع البحرین'' میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ''فتح العزیز'' میں اور مولانا محمد عمر الحسینی نے اپنی تفسیر ''کشف القلوب'' میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور مولانا اشرف علی تھانوی نے''

بیان القرآن'' میں اور مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی نے ''تفسیر واضح البیان'' میں اس کے حوالے دیے ہیں۔ عبداللہ یوسف علی نے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اس کے قرآنی نکات درج کیے ہیں اور اس تفسیر سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے علاوہ حلقہ صوفیہ میں اور نظم قرآن کے شائقین میں اس تفسیر کی مقبولیت ہر دور میں رہی ہے۔

۴۔تفسیر انوار الفرقان از شیخ غلام نقش بند گھوسوی

شیخ غلام نقش بند (۱۶۴۲ء-۱۷۱۴ء) علوم دینیہ کے ساتھ عقلی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے: کان من کبار الاساتذة لم یکن فی زمانه اعلم منه بالنحو و اللغة والاشعار و ایام العرب و ما یتعلق بها متوافراً علی علوم الحکمة۔۳۳

(وہ کبار اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، ان کے زمانہ میں لغت، جاہلی اشعار اور ایام عرب وغیرہ کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا، علاوہ ازیں وہ علوم حکمت سے بھی بہرہ ور تھے۔)

تذکرہ نگاروں نے سلوک وعرفان میں بھی ان کو ممتاز بتایا ہے۔سبحۃ المرجان میں ہے۔

هوا وحد الزمان و الجامع بین العلم و العرفان۔۳۴ (وہ یکتائے زمانہ اور علم وعرفان کے جامع تھے)

تفسیری خصوصیات:

شیخ نقش بند کی تفسیر انوار الفرقان اور ان کے دوسرے تفسیری رسائل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں طلبہ کو مخاطب بنایا ہے، ان کی بعض تفسیری خصوصیات کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ غلام نقش بند قرآن مجید کی سورتوں کے درمیان ربط ومناسبت کے قایل نظر آتے ہیں۔ جب کہ اکثر مفسرین اس موضوع کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، چنانچہ سورۂ اعراف کی تفسیر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

وجه المناسبة بین السورتین ان خاتمة الاولی و عدوو عید و فاتحة الثانیة انذار و تذکیر و بیان اهلاك القرون الخالیة و القری الماضیة.۳۵

(دونوں سورتوں (انعام واعراف) کے درمیان وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورہ انعام کا اختتام وعدو وعید پر ہوا ہے اور سورۂ اعراف کا آغاز انذار وتذکیر اور اقوام ماضیہ کی ہلاکت وبربادی کے ذکر سے ہوا ہے)

جدت و ابتکار:

شیخ غلام نقش بند کا تمام تفسیری سرمایہ محض تشریح و حاشیہ نویسی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے بعض آیات کی تفسیر میں جدت و ابتکار سے بھی کام لیا ہے، سورۂ آل عمران کی آیت۔''وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔''۳۶

کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے برخلاف وہ لکھتے ہیں:

''یہ احکام جہاد میں سے ایک حکم ہے، غلالہ ایک قسم کا لباس ہے جو زرہ کے نیچے پہنا جاتا ہے، درخت کی جڑ کو جو پانی دیا جاتا ہے، اسے بھی غلالہ کہتے ہیں۔''

الغرض، طلبہ کے لیے ایک مفید تفسیر ہے۔

۵۔ تفسیر احمدیہ از ملا جیون امیٹھوی

ملا جیون (۱۶۳۸ء۔ ستمبر ۱۷۱۸ء) کو تعلم و تعلیم اور درس و تدریس سے خاص مناسبت تھی۔ زمانہ درس و تدریس سے ان کو تصوف و سلوک سے بھی دل چسپی تھی۔ چنانچہ وہ صوفیہ کے مختلف سلسلے نقش بندی، چشتی اور قادری بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور ان سے اوراد و وظائف کی تعلیم لیتے تھے۔ اپنے استاد شیخ محمد صادق سترکھی سے قادری سلسلہ میں بیعت ہوگئے اور ان سے اجازت بھی حاصل کی۔ ملا جیون کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے بیان کے مطابق ان کے کئی شعری مجموعے تھے مگر اب ان میں سے کوئی دست یاب نہیں ہے۔

التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ:

ملا جیون کی مشہور تفسیری تصنیف ہے، جو تفسیرِ احمدی کے نام سے بھی مشہور ہے، مگر یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ اس میں صرف احکامی آیات کی توضیح کی گئی ہے۔ خاص طور پر ان آیتوں سے زیادہ اعتنا کیا گیا ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ تفسیر کی ترتیب قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ہے۔ آیات کی تشریح میں ان کے نزول کا پس منظر بھی بیان کیا ہے، الفاظ کی لغوی تحقیق اور فقہی مباحث میں فقہ اور علم کلام کی اہم کتابوں کی روشنی میں منطقیانہ استدلال کیا ہے اور حنفی نقطہ نظر کو نمایاں کر کے پیش کیا ہے۔ زبان و بیان دل کش و دل آویز ہے۔ سجع و قوافی کی رعایت کے باوجود ادائے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوا ہے۔ ملا جیون کی تفسیر میں فقہی مباحث کے ساتھ ساتھ کئی دیگر نادر علمی نکات بھی موجود ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت:

﴿لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ.﴾ ۳۷

کی روشنی میں ملاجیون نے ایمان مفصل اور احکام اسلام کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے:

''میرے خیال میں النبیین کو جمع مذکر سالم کے صیغہ میں ذکر کرنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ کوئی عورت کبھی نبی نہیں ہوئی۔ بلکہ تمام انبیاء مرد تھے اور اس سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو چار عورتوں، حوا، سارہ، ام موسیٰ اور ام عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں۔'' ۳۸

خلاصہ بحث:

تصوف دین کا اہم شعبہ ہے، جس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں جہاں اہلِ علم کے ہاں کئی مناہج موجود ہیں، وہاں ایک منہج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے، جس میں ایک صوفی کلامِ الٰہی کی ظاہری تفسیر جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد ہے کو محور ومرکز بناتے ہوئے ایسے علوم ومعارف بیان کرتا ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں۔ یہ معارف ان کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہیں۔ صوفیا کی تفاسیر جہاں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور علمِ تفسیر میں ایک خاص پہلو کی نشان دہی کرتی ہیں، وہاں یہ تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کا ذریعہ بھی ہیں۔ یہ تفاسیر بہت سے علمی محاسن وکمالات سے مزین ہیں۔ صوفیا کا تفسیری کام تمام شعبہ ءحیاتِ علمیہ وعملیہ کو اپنے اندر محیط کیے ہوئے نظر آتا ہے۔ میدانِ دعوت واصلاح میں صوفیا انسانی زندگی کی ہر ضرورت وحاجت کے قرآنی اور اسلامی حل کو اپنے مواعظ اور کتب میں پیش فرماتے ہیں اور اپنی مجددانہ شان کے ساتھ امت کی اصلاح میں مصروف نظر آتے ہیں۔ علمی میدان میں یہ تفاسیر گذرے ہوئے معروف مفسرین کی تفاسیر کا مجموعہ نظر آتی ہیں۔ تفسیر ملتقط از گیسودراز میں صوفیا کے اقوال کے ساتھ قدیم مفسرین، خازن، واسطی اور حریری کے اقوال درج کیے گئے ہیں۔

ان تفاسیر میں عربی اصول وقواعد کا خاص خیال رکھا گیا ہے، اسلوب عمدہ اور دل نشیں ہے۔ ان کی

زبان سلیس اور سہل ہے، تاکہ قرآنِ کریم کو ایک عام قاری بھی آسانی سے سمجھ سکے اور اس کے مفاہیم اس کے دل و دماغ میں راہ پا سکیں، اکثر مفسرین نے سورت کا زمانہء نزول، تعدادِ آیات، تعداد الفاظ وحروف اور سورت کے مضامین بیان کیے ہیں۔ کلامی استدلال اور منطقی دلائل میں غلو نہیں کیا گیا، مسائلِ فقہ کا استنباط موجود ہے تاہم فقہی احکام کا بالعموم کم ذکر کیا گیا ہے، احادیث وآثار سے استفادہ کا رجحان موجود ہے تاہم ضعیف آثار نقل کرنے سے گریز نہیں کیا گیا۔ علومِ قرآن کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ تزکیہ، اخلاق وتصوف اور احسان وسلوک کے مسائل ان تفاسیر کا نمایاں ترین موضوع ہیں، اور یہ مکتبِ تصوف کی ترجمانی اور تشریح کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں، البتہ بعض تفاسیر بدعات و باطنی آراء وافکار سے بھی آلودہ ہو گئی ہیں۔

الغرض یہ کہ صوفیا کی تفاسیر استدلالی اذہان کے لیے سکون واطمینان اور انشراحِ قلب کا ذریعہ ہیں۔ عصری تقاضے بھی ان نکتہ وروں سے اوجھل نہ تھے۔ ان تفاسیر کا ورق ورق گواہ ہے کہ قرآنِ مجید کی روشنی ہر کس جلوے دکھاتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱- الشمس:۹

۲- بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سئوال الجبریل، رقم الحدیث:۴۸

۳- تھانوی: تعلیم الدین، ص:۱۵۱ ۴- النازعات:۱۷

۵- عارف عمری: تذکرہ مفسرین ہند، دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص ا

۶- عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، ص:۲۰۴

۷- نظام الدین کاظمی: مقالہ ''تفسیر کاشف الحقائق کا نادر مخطوطہ'' ماہنامہ برہان، ج:۶۷، ص:۳۷۵-۳۷۶

۸- نظام الدین کاظمی: حوالہ سابق، ص:۳۷۶ ۹- حوالہ سابق

۱۰- قدوائی، ڈاکٹر محمد سالم: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۷۳ء، ص:۲۶

۱۱- محمد علی سامانی: سیر محمدی، یونانی دواخانہ پریس، الہٰ آباد، ص:۱-۲

۱۲- عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، مطبع ہاشمی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء، ص ۲۳، اور مفتی غلام سرور لاہور، خزینۃ الاصفیاء، ج ا، ثمر ہند پریس، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء، ص:۳۸۱

۱۳- ایضاً: ص:۸ ۱۴- ایضاً: ص:۱۰

۱۵- محمد علی سامانی: ص:۱۰-۱۱

۱۶- عبدالحیٔ لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص:۱۶۱، مکتبہ اشرفیہ، ملتان، ۱۹۹۳ء

۱۷- سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزمِ صوفیہ، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص: ۵۵۸ و بعد

۱۸- سیر محمدی باب ششم میں آپ کے خاندانی احوال تفصیل سے بتائے گئے ہیں۔

۱۹- سخاوت مرزا: ص: ۵۸۷، مقالہ ''گیسودراز'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۷، لاہور، ۱۹۷۸ء

۲۰- حجر: ۱۹

۲۱- ڈاکٹر محمد سالم قدوائی: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص: ۳۴، بحوالہ مخطوطہ کتب ناصریہ، ورق ۶۱

۲۲- الصافات: ۹۶　　۲۳- شیخ گیسودراز: شرح آداب المریدین، ص: ۲۶

۲۴- عمری: تذکرہ مفسرین ہند، ص: ۲۷

۲۵- امام الدین گلشن آبادی: برکت الاولیاء، بمبئی، ص: ۳۶

۲۶- بحوالہ نواب عزیز یار جنگ: تاریخ النوائط، حیدر آباد دکن، ۱۹۰۴ء، ص: ۳۶۰

۲۷- عبدالحی لکھنوی: یاد ایام، دائرۃ المعارف، حیدر آباد، ص: ۵۹

۲۸- شیخ علی مہائمی: تفسیر، ۱/ ۲۵　　۲۹- ایضاً: ۲/ ۴۰۲

۳۰- ایضاً: ۱/ ۲۴-۲۵　　۳۱- شیخ مہائمی: تفسیر ۱/ ۳۵

۳۲- ایضاً: ۱/ ۲۴-۲۵　　۳۳- عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ۶/ ۳۱۲

۳۴- آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان، ۱/ ۲۰۱

۳۵- اسٹوری بحوالہ عارف عمری: تذکرہ مفسرین ہند، ص: ۱۱۵

۳۶- آل عمران: ۱۶۱　　۳۷- البقرہ: ۱۷۷

۳۸- ملا جیون: التفسیرات الاحمدیہ، ص: ۴۱

مصادر و مراجع

☆ آلوسی، سید محمود: روح المعانی، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۷ء

☆ اقبال الدین احمد: تذکرہ خواجہ گیسودراز، اقبال پبلشرز، کراچی، ۱۹۶۶ء

☆ امین الدین: صوفیائے نقشبند، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۳ء

☆ شارب، ظہور الحسن: تذکرہ اولیائے پاک و ہند، لاہور

☆ لکھنوی، عبدالحی: نزہۃ الخواطر، مکتبہ اشرفیہ ملتان، ۱۹۹۳ء

☆ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دھلی، ۱۹۸۳ء

☆ عمری، عارف: تذکرہ مفسرینِ ہند، دار المصنفین، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء